ثمرہ بخاری

جون کا اخیر۔ پنجاب کی دھماکا خیز گرمی اور اس پر مستزاد دلوی کا بمباسٹک اعلان۔

"اس مرتبہ عید ثریا کے ہاں کی جائے گی۔"

گندو اور پچو نے سنتے ہی خوشی میں دھمال ڈالی' امی حیران پریشان' انہیں ساس کے دماغ کو گرمی تو نہیں لگ گئی۔ محلے کے گھر گھر کے چکر لگانے سے باز بھی تو نہیں آتیں۔ اب تو محلے کے بدتمیز لونڈوں نے ان کا نام بھی پھرکی دادی رکھ چھوڑا ہے۔ لیکن دادی کو پروا ہی کہاں ہے' کہتی ہیں یہ تو گلی کے کتے ہیں۔ آپ ہی بھونک بھونک کے خاموش ہو جائیں گے۔

"اماں! ثریا کے ہاں جانے کا آخر کیا مقصد ہے۔"

امی نے ساس کی دماغی حالت بھانپنے کے لیے پوچھا تھا۔ جواب میں سب کا پارا اپنے عروج پر آیا' بولیں۔

"بیٹی کے ہاں جانے کے لیے بھی بھلا کسی مطلب یا مقصد کی ضرورت ہوتی ہے۔ بس یاد آ رہی ہے اس کی۔ اس کا وہ بڑا سا ہوا دار مکان' صحن میں لگے آم اور جامن کے درخت' اب تو پھل اپنے جوبن پر ہوگا' ہم جائیں گے اور سب جائیں گے۔"

"دلوی سفر مجھے راس نہیں آتا۔" رعنا نے بودا سا اعتراض کیا۔ وہ سفر سے بہت گھبراتی تھی اور یہ تو ایک نہ دو پورے سات گھنٹے کا سفر تھا اور پھر منزل کیا تھی' ثریا پھپھو کا گھر' جن کے پانچ بدتمیز بچوں سے وہ ہمیشہ خار کھاتی تھی۔ چھٹیوں میں جب بھی پھپھو ان کے ہاں آتی تھیں۔ یہ بچے بلا مبالغہ رعنا سے دن میں تین سے چار بار پٹتے تھے۔ دھمکی یہ دی جاتی تھی اگر تم نے ثریا پھپھو کو بتایا تو پرانے اسٹور میں بند کرواں گی۔ پھر وہاں جو بھوؤ بلا رہتا ہے' وہ کھا جائے گا تمہیں۔ شیطان کے پر کالے اگر کسی سے ڈرتے تھے تو وہ خوش نصیب بھوؤ بلا ہی تھا۔ ورنہ بڑے سے بڑا ان کے سامنے پانی بھرتا دکھائی دیتا تھا اور اب دادی ان ہی جیالوں کے ہاں جانے کا پروگرام بنائے بیٹھی تھیں۔

پچو اور گندو اچھل اچھل کر "جائیں گے' بھئی جائیں گے' ہم سب جائیں گے۔" گا رہے تھے' دادی پچو اور گندو کی آٹھ اور دس سالہ زندگی میں پہلی بار ان کا گانا سن کر مسکرا رہی تھیں۔

"مہرو! تم جانے کی تیاری کرو۔"

"اماں! آپ شاید بھول رہی ہیں۔ اس گھر کے سربراہ آپ کے فرزند' میرے مجازی خدا ہیں۔ کہیں آنے جانے کے لیے ان کی اجازت لے لی جائے تو واپسی پر کئی قباحتوں سے بچا جا سکتا ہے۔"

"ارے اس کی فکر کیوں کرتی ہو فاخرہ! اس سے تو میں آپ بات کرلوں گی' تم بس جانے کی تیاری کرو اور رعنا کو ذرا ڈھنگ کے کپڑے سلوا دو۔ ثریا کی سسرال بہت بڑی ہے۔ اس کے ہاں ہر وقت تانتا لگا رہتا ہے۔"

اور یہ پہلی بات تھی جو رعنا کو پسند آئی۔ موڈ کچھ خوش گوار ہو گیا۔ شام کو ابا آئے۔ انہیں پروگرام سے آگاہ کیا گیا۔ سن کر حیران بھی ہوئے اور پریشان بھی۔

"رمضان کا مہینہ ہے' مجھے روزے کون رکھوائے گا۔"

"بھئی ہم کون سا ابھی سے ابھی جا رہے ہیں۔ عید سے چار روز پہلے جائیں گے۔ فاخرہ تمہارے لیے سحری اور افطاری بنا کر فریز کر دے گی اور ہاں 'سنو چاند رات کو تم بھی ملتان آجانا۔ مل کر عید کریں گے۔ ثریا کئی سالوں سے اصرار کر رہی ہے۔ خوش ہو جائے گی۔"

کچھ بحث کے بعد آخر ابا نے بھی اقرار میں گردن ہلا دی' ثریا پھپھو کو فون پر اطلاع دے دی گئی اور اس کے بعد شاپنگ کا آغاز ہوا۔ والوی نے عمدہ لان کے جوڑے 'کچھ چکن کے کرتے سلوائے۔ رعنا نے جدید فیشن کے کپڑے اور امی نے بھی کچھ کڑھائی والے کپڑے سلوا ڈالے۔ رمضان کے مہینے میں یہی موضوع رہا۔ ثریا پھپھو کے فون بھی آتے رہے۔

"ہم پک رہے ہیں' جامن آپ لوگوں کے آنے تک بالکل تیار ہو جائیں گے۔ بچے ان لوگوں کی آمد کا سن کر بے حد خوش ہیں وغیرہ۔"

ٹرین کا سفر تھا۔ امی آج کل کے حالات اور خاص کر ٹرینوں کے چلن سے کچھ پریشان بھی تھیں۔ آئے روز ٹی وی پر خبریں چلتی تھیں۔ فلاں ٹرین کا انجن فلاں اسٹیشن پر فیل ہو گیا۔ مسافروں نے رات ریلوے کو کوستے ہوئے کاٹی۔ کبھی کبھی تو ٹرین ساری ساری رات کسی جنگل ویرانے میں کھڑی رہتی تھی۔ امی کے خیالات سنے تو پچھ گنڈولور بھی رعنا کا سہارا لے کر بینڈ سے اترنے والی ولوی نے سینہ ٹھونک کر فرمایا۔

"فکر کیوں کرتی ہو فاخرہ۔ آخر میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"دادی ساڈی شیرا ے۔ باقی ہیر پھیرا ے۔"

گندو اور پپو تب تک لہک لہک کر گاتے رہے۔ جب تک کہ امی نے طمانچوں سے ان کی خاطر نہیں کر دی۔

☆ ☆ ☆

"اسٹیشن پر لتا رش۔ اف! لگتا ہے سارا شہر عید منانے دوسرے شہروں کو جا رہا ہے۔" جوادی اور شبلی بڑی بے فکری سے کندھے پر ایک ایک سفری بیگ لٹکائے جھومتے گاتے اسٹیشن پر آئے تھے۔ لیکن صورت حال خاصی گمبھیر تھی۔

"یار لگتا ہے اتنا لمبا سفر اپنے پیروں پہ کھڑے ہو کر کرنا پڑے گا۔" جوادی افسردہ تھا۔

"چلو۔ اسی بہانے ہم اپنے پیروں پہ کھڑے تو ہوں گے۔ والدہ سنیں گی تو کتنی خوش ہوں گی۔"

"اگر ہم نے سفر اپنے ہی پیروں پہ کرنا ہے تو پھر اتنا کرایہ بھرنے کا فائدہ۔"

"سوال غور طلب ہے۔" شبلی نے سر ہلایا۔

"یار۔ یار۔ ذرا ادھر دیکھنا۔" جوادی نے توجہ بائیں جانب مبذول کروائی۔

"کیا ہے سوائے چند مکار عیار چھوں کے اور اس خرانٹ بابے کے۔"

"ادھر دائیں طرف دیکھو بہار ہی بہار ہے' خاص کر وہ گلابی سوٹ والی بہار کا شاہکار ہے۔"

"لوئے میں وہی خرانٹ بابا ہی تو دکھا رہا ہوں۔ یار اس کی داڑھی مجھے اصلی نہیں لگ رہی۔" جوادی کی پوری توجہ بابا جی کی جانب تھی۔

"تیری فضول ریسرچ میں لڑکیوں کا وہ ٹولا پتا نہیں کدھر نکل گیا ہے۔"

"چھوڑ لڑکیوں کو۔ یہ بتا راستے میں افطاری کے لیے کچھ رکھا ہے۔"

"کیا ضرورت ہے فالتو بوجھ اٹھانے کی یہ دیکھ جتنے بھی لوگ ہیں افطاری کے لیے ڈھیروں سامان اٹھائے ہوئے ہیں تو دیکھنا ہمیں خالی ہاتھ دیکھ کر ہر بندہ روزہ کھلوانے کو دوڑا ئے گا۔" شبلی مسکرایا تھا۔

"پاکستانی عظیم اور عجیب و غریب قوم ہے۔" جوادی جذباتی ہوا تھا۔

"بابا جی زندہ باد۔" میلے کچیلے داڑھی والے بابا جی کے آس پاس کھڑے لوگوں نے نعرہ لگایا۔

"ارے یہ تو کوئی خاص بندہ ہے۔ لگتا ہے مشن بھی خاص ہی ہے۔ یقیناً "عیدیاں" اکٹھی کرنے نکلا ہے۔" جوادی نے یقین سے کہا تھا۔

"عمر دیکھو جس عمر میں لوگ صرف عیدیاں بانٹتے ہیں' یہ وصول کر رہا ہے۔ یار میں نے فیصلہ کر لیا ہے میں بھی بڑا ہو کر ایسا ہی زبردست بابا بنوں گا۔" جوادی کے ارادے مضبوط تھے۔ ابھی باتیں ہو رہی تھیں۔ ایک فیملی آئی اور ان کے برابر سیٹ پر بیٹھ گئی۔ ایک عمر رسیدہ مگر عقاب کی آنکھوں والی خاتون ایک ان کی سعادت مند سو ایک تنک چڑھی پوتی' دو شرارتی کم عمر پوتے اور ڈھیروں کھانا۔

"خدایا! ہمیں ایک ہی کمپارٹمنٹ عطا فرما۔" دونوں نے دعا مانگی۔

"دادی پانی دیں' پیاس لگی ہے۔" کولر کو دونوں ہاتھوں میں دبوچے دادی پتا نہیں خیالوں ہی خیالوں میں کس وادی کی سیر کو نکلی ہوئی تھیں۔ بچے نے تین بار منت کی۔ چوتھی بار دادی بھڑکی۔

"خبردار' خبردار اس کولر کی طرف دیکھنا بھی نہیں' سفر بڑا لمبا ہے اور میں ہوں شوگر اور بلڈ پریشر کی مریضہ' پانی ختم ہو گیا تو میرا کیا بنے گا۔"

"کیا یہ چھلی ہیں؟" شبلی نے پلکیں جھپک جھپک کر انہیں دیکھا اور جوادی سے سوال کیا۔

"پتا نہیں سانپ کے بارے میں تو سنا ہے سو سال کا ہو کے توی کا روپ دھار لیتا ہے۔ چھلی کے بارے میں نہیں پتا۔ کیا وہ سو سال کی ہونے پر دادی کا بہروپ بھر سکتی ہے یا دادی اگر سو سال کی عمر کو پالیں تو وہ چھلی بننے کے مزے لوٹ سکتی ہیں۔"

"شکر کرو ہماری دادی اس وقت یہاں نہیں ملتان میں بیٹھی ہیں ورنہ دھمار لگاتیں کہ ہم یہاں بن جل کی مچھلی کی طرح تڑپ رہے ہوتے۔"

"انس بھائی۔" پو نے حیرت سے پکارا۔ شبلی جوادی نے اس کے اشارے کے تعاقب میں دیکھا۔ ایک معقول صورت نوجوان کھڑا مسکرا رہا تھا۔ جبکہ رعنا کے چہرے پر حیرت تھی۔

"کیا انس بھائی ہمارے۔" رعنا نے بڑھ کر بھائی کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اس کے سوال کا گلا گھونٹ دیا اور گھبرا کر دادی کی طرف دیکھا لیکن صد شکر وہ پانی کے کولر پر سر رکھے خیالوں ہی خیالوں میں ہاکس بے پر پہنچی ہوئی تھیں۔ یہ شبلی کا خیال تھا۔

"چپ چپ۔" رعنا نے بھائی کی گدی پر ہاتھ جمایا۔

"کیا یہ انس بھائی نہیں ہیں؟؟" دوسرے برادر کی رگ معلومات پھڑکی۔

دونوں نے انس کی طرف دیکھا۔ اسے خوامخواہ مسکراتا پا کر یہ بھی مسکرانے لگے۔ مصافحہ کیا گیا۔ ایک دوسرے کے مل جانے پر خوشی کا اظہار ہوا اور پانچ منٹ کے بعد وہ چیدہ چیدہ معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ موصوف فاخرہ بیگم کے دور کے بھانجے بلکین دل سے قریب تھے اور رعنا کے دل سے تو بہت ہی قریب تھے۔ لیکن دادی نے عہد کیا ہوا تھا کہ وہ اپنی زندگی میں یہ شادی نہیں ہونے دیں گی۔ انس نے بڑے دکھ سے بتایا تھا اور ان کی خودکشی کا کوئی امکان بھی نہیں ہے۔ جس شوگر اور بلڈ پریشر کا اعلان وہ ہر وقت کرتی رہتی ہیں وہ صرف زبانی کلامی دعوے ہیں ورنہ شوگر اور بلڈ پریشر کی کیا مجال ہے جو ان کے پاس آکر آپ اپنی شامت کو آواز دے۔

"میں نے جیسے ہی سنا یہ ملتان جارہے ہیں دل کے ہاتھوں مجبور ہو کے میں بھی چلا آیا ہوں۔ ابھی تک تو ان کی نظر مجھ پر نہیں پڑی لیکن اگر انہوں نے مجھے دیکھ لیا تو اپنا ملتان جانے کا ارادہ تبدیل کردیں گی یا مجھے واپس گھر بھجوا کے دم لیں گی۔"

"تسلی رکھو سمجت میں کندھے ہوئے موتاوان وہ تمہیں نہیں دیکھ پائیں گی۔" جوادی نے تسلی دی۔

"کیسے نہیں دیکھ پائیں گی ان کی عینک سو فیصد ٹھیک رزلٹ دے رہی ہے۔"

"مگر بانس نہ رہے تو بانسری کیسے بجے گی۔" لڑکا ذہین تھا۔ جوادی کی بات پر چونکا۔

"یعنی عینک توڑ دی جائے گی۔"

"اوں ہوں اتنی بھی تخریب کاری اچھی نہیں۔ عینک صرف ان کی خوب صورت آنکھوں سے وقتی طور پر جدا کی جائے گی۔"

"مجھے منظور ہے۔" انس چلایا۔ شبلی جوادی نے دادی کی طرف دیکھا۔ وہ اس وقت لمحوں پہ تیرنے کا مزا لے رہی تھیں۔ سمندر کی موجیں اس وقت شاید بہت ہی موج میں تھیں۔ جوادی شبلی بظاہر کہیں اور دیکھتے دادی کے قریب سے گزرتے ہوئے شبلی ان سے ٹکرایا۔ عینک گری۔ جوادی نے پھرتی سے اپنی جیب میں رکھ لی۔

"وے کون ہے وے۔" دادی غرائیں۔ اتنے میں ٹرین کے پلیٹ فارم پر آنے کا اعلان ہوا۔ ہر طرف بھگدڑ سی مچ گئی۔

"ہائے وے مجھے تو بڑا دھندلا۔ دھندلا دکھائی دے رہا ہے۔"

"تمہارے برابر کی سیٹ پر ہمایوں سعید نے تو بیٹھنا نہیں ہے دادی دھندلا دکھ رہا ہے تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔" پو نے انہیں سمجھایا تھا پھر جلدی سے سامان اٹھانے لگا تھا۔ شبلی نے اشارہ کیا۔ انس نے بڑھ کے دادی کا ہاتھ تھام لیا۔

"وے کون ہے تو فاخرہ تو نہیں ہے۔" شبلی اور جوادی نے ایک نظر انس کو دیکھا۔ بمشکل ہنسی روکی۔

"یہ ایک نیک دل نوجوان ہے دادی جو اکثر بوڑھی عورتوں کو سڑک پار کرواتا ہے۔" ممدو نے انہیں بتایا۔ اب وہ انس کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے مطمئن تھیں۔

ٹرین آئی اف لنتارش۔۔۔یار کاش ٹرین کی چھت نہ ہوتی' ہم کوٹھے کے اندر چلے جاتے۔" شبلی کے لہجے میں حسرت تھی۔

"کمبخت۔۔۔ میں نے نیچے اترنا ہے' تم دھکے دے دے کر پھر اوپر چڑھا دیتے ہو۔" ایک یم تحیم خاتون چلا رہی تھی۔ مگر وہاں سن کون رہا تھا۔ ایسے میں آفرین ہے الس پر جس نے کتنے پیار سے کتنی ملائمت سے دادی کو ٹرین میں سوار کرا دیا تھا۔ جیسے تیسے باقی سب بھی سوار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ میلے کچیلے حلیے والے پیر بابا بھی سیٹ گھیرے آنکھیں نیم وا کیے متاثر کن پوز بنائے اپنی طرف سے اللہ والے بنے بیٹھے تھے۔ الس نے دادی کو ان کے برابر میں بٹھا دیا۔

"بیٹا کیا میرے برابر میں مینڈھا بندھا ہے۔" دادی نے زور کی سانس لی اور قریب' قریب اندازہ لگا لیا۔ ابھی شبلی' جوادی عش عش بھی نہ کرنے پائے تھے کہ گڈو اور پپو نے ہنسنا شروع کر دیا۔ فاخرہ نے دادی کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور اپنے برابر بٹھا لیا۔

"بے بد اچھو! میری عینک پلیٹ فارم پہ رہ گئی ہے۔"

"پلیٹ فارم۔ لنتارش ہے کہ اچھے اچھے نہیں مل رہے' وہ ذرا سی عینک کیا چیز ہے۔"

"کہاں ہے وہ نیک دل نوجوان۔" دادی کو نوجوان کی یاد ستائی۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا' نوجوان صاحب قریب ہی بیٹھے فاخرہ سے باتیں کر رہے تھے اور دیکھ رعنا کو رہے تھے' حاضر ہو گئے۔ شبلی' جوادی' پیر صاحب کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ان کا چیلا لہک لہک کر ان کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہا تھا۔

"میرے پیر صاحب سفلی علم کے توڑ کے ماہر ہیں۔ ان کے تعویذ قسمتوں کے بجھے دیے روشن کر دیتے ہیں۔"

"امی میں بھی تعویذ لوں گی۔" رعنا مچلی کہ اسے بھی تو الس کو پانے کی شدید آرزو تھی۔

"میرے پیر صاحب سراپا کرامت ہیں۔"

"میں سمجھا قیامت ہیں۔" جوادی بڑبڑایا۔

"بے ادبی مت کرو لڑکے جل کر خاک ہو جاؤ گے۔"

"اسے غصہ نہ دلاؤ' غصہ آ گیا' اتنی بے ادبی کرے گا کہ پیر حضرت غصے کی آگ میں جل کر فنا ہو جائیں گے۔" شبلی نے ڈرایا۔

"گستاخ بچے گا نہیں۔" پیر نے پیش گوئی کر دی۔ مسافروں کے چہرے خوف سے پیلے پڑ گئے۔ پپو نے ترحم سے جوادی کو دیکھا' ہائے کیسا چاند سا چمکتا چہرہ ہے۔

"پیر صاحب کبھی نہا بھی لیا کریں' اگر پانی سے ڈر لگتا ہے تو ڈرائی کلین ہی کروا لیں۔" جوادی کے مشورے جاری تھے۔

"ارے احمق۔۔۔ خاموش۔۔۔ پیر صاحب جلال میں ہیں۔"

"خاصا فنی سا فیس بنایا ہوا ہے۔ جلال سے زیادہ پرانی خاموش فلموں کے کامیڈین لگ رہے ہیں۔" اب کے شبلی نے تبصرہ فرمایا تھا۔

پیر صاحب کا بس نہیں چل رہا تھا۔ دونوں کو چلتی ٹرین سے نیچے دھکا دے دیں۔ اچانک کسی مسافر کا بچہ رونے لگا۔

"بچہ کیوں روتا ہے لال دین؟" پیر صاحب نے بند آنکھوں کے ساتھ ادھر ادھر دیکھا اور فرمایا۔ لال دین نے بچے کی ماں کو اشارہ کیا۔ وہ بچے کو لے کر پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ بچے نے جو ایسا خوف ناک چہرہ دیکھا' مارے وحشت کے رونا بھول گیا اور پورا ڈبا پیر صاحب کی اس کرامت پر جھوم گیا۔ لوگ ایک دوسرے کو دھکے دیتے' جگہ بناتے' پیر صاحب تک تانتا جا رہے تھے۔ لال دین نے فرمایا۔

"ابھی نہیں' دس منٹ بعد سب لوگ قطار بنائیں اور پھر آئیں۔ اس وقت شاہ جنات کی اپنی بیوی سے لڑائی ہو گئی ہے۔ بیوی روٹھ کر میکے چلی گئی ہے۔ شاہ جنات مشورہ لینے آئے ہوئے ہیں۔ دس منٹ تک جائیں گے' پھر آپ لوگوں کی باری آئے گی۔

متاثرین مزید متاثر ہوگئے۔

یہاں تک کہ کولر پہ سر رکھے اونگھنے والی دادی بھی ہوشیار ہوکر بیٹھ گئیں۔ رعنا کو ڈانٹ کر کہا کہ چہرہ چھپالو ایسا نہ ہو شاہ جنات کا دل تم پہ آجائے اور ہمیں بیٹھے بٹھائے نیا سیاپا پڑ جائے اور ساتھ جو سیاپا (انس) بیٹھا تھا اس نے زور و شور سے ان کے اس نادر و نایاب خیال کی تائید کردی۔

ابھی دس منٹ مکمل ہونے میں پورے پونے تین منٹ باقی تھے۔ لال دین کے پیٹ میں وہ مرغا دہائیاں دینے لگا جسے گرما گرم نان میں لپیٹ کر اس نے اسٹیشن پر آنے سے پہلے ہڑپ کیا تھا۔ لوگوں کو پرے ہٹاتا' جگہ بناتا بڑی مشکل سے باتھ روم تک جانے میں کامیاب ہوا۔ قسمت کا ستارہ عروج پر تھا۔ باتھ روم خالی تھا اور نلکے میں پانی بھی آرہا تھا۔

ادھر لال دین نے باتھ روم کا دروازہ کھٹاک سے بند کیا۔ ادھر چھپاک سے جواوی کراماتی بابے کے برابر پہنچا ہے۔

"جب تک لال دین تشریف نہیں لاتے میں ہی بابا جی کلوسٹ راس لال دین کا قائم مقام ہوں۔"

"تم کون۔" بابے کو انجانے خدشوں نے ستایا۔

"آپ کا عقیدت مند آپ کا پکا پکا مرید 'لاؤ' جلدی لاؤ جلدی جلدی نذرانے پیش کرو۔" نذرانوں کی بات سنتے ہی پیر بابا نے آنکھیں بند کرلیں اور پتا نہیں کیا پڑھنے لگے۔ دھیان جیب کی طرف تھا۔ جس میں جواوی بار بار ہاتھ ڈال رہا تھا۔ یقیناً" نذرانے پہ نذرانے چلے آرہے تھے۔

اب ٹرین کا منظر کچھ یوں تھا۔ لال دین صاحب باتھ روم کے اس دروازے کو کھولنے کی کوشش میں بے حال ہورہے تھے۔ جس کا چٹخنی باہر سے شبل نے کس کے پکڑ لیا تھا۔ اب دروازہ کھلے تو کیسے 'لال دین لاکھ صحت مند و توانا سہی' مگر شبل کی منہ زور جوانی کے سامنے یہ طاقت پانی بھرتی نظر آتی تھی۔ سو اتنی شدید کوشش بھی بے سود تھی۔ ادھر جواوی صاحب' پیر بابا کی جیب میں نذرانے والا ہاتھ ڈالتے ضرور تھے۔ لیکن صرف ہاتھ بعد میں یہی ہاتھ اپنی جیب میں ڈال کر نذرانہ اپنی پاکٹ میں محفوظ کرلیتے تھے۔

"دادی اماں مجھے بھی نذرانہ دینا ہے' دعا کرانی ہے۔" رعنا مچلی جارہی تھی۔

دادی نے اس کا بازو سختی سے دبوچ رکھا تھا۔ "سنا نہیں ادھر جن آئے ہوئے ہیں۔ کمبخت کوئی عقل کا اندھا جن تیرے پہ عاشق ہوگیا تو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا لے جائے گا۔ میں جاتی ہوں نذرانہ دے کر آتی ہوں اور دعا کراتی ہوں تیرا رشتہ ثریا کے دیور سے پکا ہوجائے۔"

"وہ باندر کا بچہ' میں تو ہرگز اس سے شادی نہیں کروں گی۔" رعنا چلائی اور کئی ایک فلمیں دیکھ دیکھ کے بھوننے والے خبیث فارغ تھے نوجوان قسمت آزمائی کو لپکے۔

"ہمارے بارے میں کیا خیال ہے اماں جی۔" ایک دبلے پتلے بھونے پونا مارا۔

"تیرے بارے میں جو' وہ خیالات ہیں' اگر اظہار کردیا چلتی گاڑی سے چھلانگ لگادے گا۔ دفع ہو اپنی جگہ پہ جاکے بیٹھ۔" نوجوان بھی آج کے دور کا بدتہذیب بندہ تھا۔ یہ صورت حال دیکھ کر جواوی نے پیر بابا کے کان میں کچھ کہا۔ پھر اعلان کیا۔ "اس مرد بدتمیز کو پیر بابا قریب آنے کا حکم دیتے ہیں۔"

نوجوان ابھی آنے یا نہ آنے کا فیصلہ ہی کررہا تھا کہ پیر بابا کے تازہ تازہ مرید اسے اٹھا کر پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ جواوی نے پھر کان میں کچھ پھونکا۔ ان الفاظ میں ایسا اثر تھا پیر صاحب نے آؤ دیکھا نہ تاؤ' پیرے بدلو میں بسا کھسہ اتارا اور نوجوان کے سر پر تابڑ توڑ کئی وار کروالے۔ "ابھی ابھی شاہ جنات بتا کر گئے ہیں اس کمینے کے دل میں کھوٹ تھا' یہ پیر صاحب کے قتل کا فیصلہ کرچکا تھا۔" یہ سننا تھا کہ عقیدت مندوں کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ وہ نوجوان کی ہڈیوں کا سرمہ بنا کر خون بہاتی آنکھوں میں

اگانا چاہتے تھے۔ لیکن تب تک نوجوان جوتوں کی بدبو سے بے ہوش ہوچکا تھا۔ ان جوتوں میں جنات کی بو رچی بسی ہے۔" شبلی نے اعلان کیا تھا اور پیر صاحب سوچ رہے تھے۔ اتنا سودمند تو کبھی لال دین بھی ثابت نہیں ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼
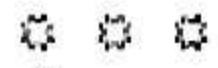
ٹرین منزل کی جانب گامزن تھی۔ اب شام رات میں بدلنے کو تھی۔ اکثر مسافر اونگھنے لگے تھے۔ جب اچانک ہی ٹرین کا یہ بارونق ڈبہ ایک طویل نسوانی چیخ سے گونج اٹھا۔ واش روم میں بند لال دین جو کب کا نیند کی آغوش میں جاچکا تھا۔ وادی کے پیروں کے قریب اپنا بستر بچھا کر سونے والی چھالی جس کے دو گول مٹول پیارے بچے پیر بابا کی طرف اشارے کرکر کے نجانے اپنی زبان میں کیا کہتے اور قہقہے لگاتے تھے۔ اب ماں کی آغوش میں دبک کر سوچکے تھے۔ مگر یہ چیخ "اف کانوں کے پردے پھاڑتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ جو وادی جو اس رقم کا حساب کرنے میں مصروف تھا' جو آج پیر صاحب کی جیب کے بجائے اس کی جیب میں چل آئی تھی' چونک کر سیدھا ہوا تھا۔

"لگتا ہے شاہ جنات آگئے ہیں۔" جو وادی کا کہنا تھا تمام ڈبے پر کپکپاہٹ طاری ہوگئی۔

"کوئی شاہ جنات نہیں آئے' چیخ میں نے ماری تھی' کمبختو میرا بھرا ہوا کولر خالی ہوگیا ہے۔ مجھے بتاؤ یہ پانی کس مرن جوگے نے پیا ہے۔" وادی دہائی دے رہی تھیں۔

"کولر تو آپ کے بازو کے نیچے تھا۔ ایسے میں کون اپنی جان کا دشمن ایسی جسارت کرسکتا ہے۔" شبلی نے جائزہ لینے کے بعد انہیں یاد دلایا تھا۔ جبکہ وہ دیکھ چکا تھا کولر کی ٹونٹی تھوڑی کھلی رہ گئی تھی۔ تمام راستے قطرہ قطرہ پانی ٹپک کر چھالی کے تکیے کو بھگوتا رہا تھا۔ تکیے پر چونکہ بچوں کے سر تھے' اس لیے چھالی اس سے ناواقف تھی۔ اگلے چند گھنٹے میں آسمان کو پتا نہیں کیسی خون ریز لڑائی دیکھنی تھی۔ چھالی کی صحت اور وادی کی زبان اللہ اللہ۔

"وے میتوں تسیں پتا' میتوں اپنا پانی چاہیے۔" وادی کا جلال اور ضد دونوں عروج پر تھے۔

"خواتین حضرات ایک بات کنفرم ہوچکی ہے۔ شاہ جنات واقعی ڈبے میں گھس آیا ہے۔ دیکھیے نا پانی کا بھرا کولر جس میں وادی کی جان تھی' جسے وہ گلے سے لگائے بیٹھی تھیں۔ اب بالکل خالی ہے۔ مجھے لگتا ہے ڈبے میں موجود سب سے گناہ گار بندے کی شامت شاہ جنات کے ہاتھوں آنے ہی والی ہے۔" جو وادی اونچی آواز میں اعلان کررہا تھا اور بار بار پیر بابا کی طرف یوں دیکھ رہا تھا جیسے بچو جی تمہاری تو پھینٹی لگنے ہی لگنے والی ہو۔ پیر بابا کا دل تیزی سے دھک دھک کررہا تھا۔ ہاں بھئی اب تک جنوں کے نام وہ کئی غلط کاریاں منسوب کرچکے تھے۔ کسی کے گھر آگ لگی ہے۔ پیر بابا نے اعلان کیا' یہ انسانوں کی نہیں جنات کی کارروائی ہے' کسی کے ہاں بھوکیں نہیں بستیں' جنات کا قصور' کسی کا سہیلیو ڈوب گیا' جنوں کی شرارت اگر واقعی شاہ جنات آگیا ہے تو میں تو آج جان سے مارا جاؤں گا۔ ٹرین آہستہ ہورہی تھی کوئی اسٹیشن قریب تھا' پیر بابا نے آؤ دیکھا نہ تاؤ' جھٹ بدبودار کھیسہ پہنا اور دروازے کی جانب لپکے۔ جیسے ہی ٹرین رکی' اندھیرے میں پیر محترم یوں غائب ہوئے ہیں جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

"یہ شاہ جنات کو میں بڈھی ہی مذاق کرنے کو ملی تھی۔ سارا پانی پی گئے ہیں میرا۔" وادی کو یہ شرارت پسند نہیں آئی تھی۔

"شکر کریں پانی ہی پیا ہے' خون نہیں پی گئے آپ کا۔" شبلی نے آہستہ سے کہا تھا اور وہ بڑی زور سے اچھلی تھیں۔

"میرا خون' مگر کیوں۔ میں نے کیا ان کی مج (بھینس) کھول لی ہے۔"

وادی دیر تک اونچی آواز میں آہیں بھر بھر کے اپنے کولر کو دیکھتی رہیں۔

"اب کے اسٹیشن آئے گا تو میں بھر کے لا دوں

گا۔" ولس نے تسلی دے کر مزید نمبر بڑھا لیے۔

"پوری ٹرین میں ایک ہی نیک منڈا ہے باقی سارے عذلیل جیسی ہیں۔" یہ رائے دادی کی تھی جس سے رعنا کو پورا اتفاق تھا۔

ٹرین کی رفتار اچانک کم ہونا شروع ہو گئی ہے اور پھر مزید ہولی چلی گئی ہے۔ ایک خفیف سا جھٹکا لگا اور ٹرین ویرانے میں رک گئی۔

"کیا ہوا ہے؟" سب نے ایک دوسرے سے پوچھا۔

"شاید شاہ جنات کی کارروائی ہے۔" کسی نے کانپتی آواز میں کہا۔ ماحول پر ایک دم سے خوف چھا گیا۔ اتنے میں ٹرین کے عملے نے اعلان کیا۔

"انجن فیل ہو گیا ہے۔"

"وے بیڑا غرق ہو تیرا! انجن فیل ہو گیا ہے' اور یہ کوئی جگہ ہے فیل ہونے کی' ویرانہ ہی ویرانہ' جے ڈاکو آ گئے' مسافروں کی حفاظت تیرا پیو کرے گا۔" دادی کی جھلاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔

"ہور جاؤ ثریا پھپھو کے گھر عید منانے۔" رعنا جل کے بولی تھی۔

چپ کر جا' ایسی ووٹیے میرے منہ نہ لگیں' چھپڑ مار کے دانت باہر نکال دوں گی۔"

"کیوں نہ بولوں' اچھے بھلے گھر بیٹھے تھے' پتا نہیں یہ فضول خیال کیوں آ گیا آپ کے ذہن میں۔" ذرا سی جگہ پر بیٹھے بیٹھے رعنا بری طرح تھک چکی تھی۔ دادی کا جلال ابال کا شکار ہوا اور انہوں نے ہاتھ گھما دیا۔ پر کاش نہ گھماتیں۔ بغیر عینک کے بے چاری معصوم دادی' رعنا اور پٹھانی میں تمیز نہیں کر سکیں۔ دادی کا ہاتھ نیند میں اونگھتی پشتو میں ٹرین والوں کو گالیاں دیتی پٹھانی کے چہرے پر پڑا۔ پھر اس کے بعد جو انھوں میں روشنی رہتی' جو الس درمیان میں نہ آ جاتا۔

دادی پر آنے والا ہر وار اس مرد میدان نے اپنے چوڑے سینے پر جھیلا اور دادی کو ان مناظر کی کمنٹری رعنا نے ایک کی چار لگا کے سنائی۔ بڑی مشکل سے جو دادی نے پٹھانی کو یہ کہہ کر ٹک کے بیٹھنے پر مجبور کیا کہ یہ

بڑی معزز لیڈی دماغی مریضہ ہے۔ ایسے ہی ہواؤں سے لڑتی رہتی ہے۔

"دماغی مریضہ یعنی پاگل۔" پٹھانی گھبرائی۔

"ہیں۔ ہیں۔ بالکل پاگل بیمار عورت۔"

"اوئی خدایا کہیں یہ بیماری میرے بچوں کو بھی نہ لگ جائے۔" پٹھانی بستر سمیٹ کر بچوں کو پکڑ کر سامنے والے دوسرے کونے میں جا بیٹھی۔

"فاخرہ ذرا پتا تو کر یہ دلیر نیک شریف لڑکا ہے کون' آج کل ایسے ہمدرد بچے بھلا کہاں ملتے ہیں۔" فاخرہ نے کچھ دیر کے مذاکرات کے بعد اعلان کیا۔

"اماں جی یہ تو میرا دور پرے کا رشتے دار نکل آیا ہے۔ بے چارے کی ماں ہے نہ دادی کہتا ہے آج سے میں نے آپ کو ماں اور ان نورانی صورت والی بزرگ کو اپنی نانی اور دادی دونوں مان لیا ہے۔"

"صدقے جاؤں۔" دلاری جذبات کی رو میں بہہ گئیں۔

"جاب بھی بہت اچھی ہے۔" جولاری نے جھک کے کان میں ایک اور خوبی بتائی۔

"تو میں نے بیٹے کی کمائیں تھوڑا ہی کھانی ہیں۔"

"آپ نے نہیں کھائی نہ کھائیں آپ کی یہ چٹوری پوتی تو کھا سکتی ہے نا۔" شبلی نے رالعو کھائی۔

"لیکن یہ تو ثریا کے زیور۔"

"ثریا کا دیور ایک لڑکی کے پیچھے ثریا کا سارا زیور لے کر گھر سے فرار ہو گیا ہے۔"

شبلی کو کیا پتا کون ثریا کون دیور بس زبان میں کھجلی ہوئی تو بول دیا۔

"ہائے میری بچی، میری ثریا، سارا زیور لے گیا وہ منحوس "نٹ چینا"۔" دادی کو تو غش پڑنے والا تھا۔ تب جولاری نے کانوں میں رس گھولا۔

"یہ نوجوان کہتا ہے، میری اماں اور دادی بہت سا زیور چھوڑ کر مری ہیں، اگر میرا رشتہ اس باعزت، معزز خاندان میں ہو جاتا ہے تو میں سارا زیور ثریا کو دینے کے لیے تیار ہوں۔" انس نے گھبرا کر نفی میں سر ہلانا چاہا لیکن شبلی نے پیچھے سے اس کے بال پکڑ کر یہ کوشش ناکام بنادی۔

"فاخرہ میری تو کمبخت عینک سی دھندلائی ہوتی ہے۔ اچھی طرح دیکھ کے بتا لڑکا دامادی میں لینے کے قابل تو ہے نا۔"

"ہاں جی اماں جی سو فیصد قابلیت رکھتا ہے۔ میرا خیال ہے نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔" یہ کہتے ہوئے فاخرہ نے مسکرا کر انس کی طرف دیکھا جولاری نے بڑھ کر دلاری کی موٹی موٹی انگلیوں میں سے سب سے موٹی انگلی سے ایک سونے کی انگوٹھی اتاری اور انس کو پہنا دی۔

"ہے میری انگوٹھی۔" دلاری کو یہ بات پسند نہیں آئی۔

"جب یہ ثریا کو بیس پچیس تولے سونا دے گا اس میں سے ایک انگوٹھی آپ اٹھا لیجئے۔" شبلی نے سمجھایا۔

"ہیں، پچیس تولے۔" دادی کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔

جودادی نے انس کو انگوٹھی پہنائی، جواب میں انس نے گلے میں پڑی چین جس پر آئی لو یو لکھا تھا، رعنا کے گلے میں ڈال دی۔ تمام ڈبہ مبارک باد کے شور سے گونج اٹھا۔ دادی کو اچانک خیال آیا۔

"نی فاخرہ تو کیوں بھول گئی ہے۔ تیرا ایک مجازی خدا بھی ہوتا ہے اور ایسے موقع پہ اس کی رائے بہت ضروری ہے۔"

"ان کی رائے فاخرہ آنٹی فون پہ لے چکی ہیں۔" جودادی نے تسلی کرائی۔

ریلوے ملازمین نے انجن ٹھیک ہونے کی خوش خبری سنائی۔ اب کہ ٹرین میں رنگ ہی کچھ اور تھا۔ مسافروں میں من چلے شادی بیاہ کے گیت گا رہے تھے، کچھ ناچ رہے تھے۔ جودادی، شبلی دونوں کاموں میں پیش پیش تھے۔ بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے نسل نسل کے لوگ اس وقت سب ایک تھے۔ رعنا اور انس کی خوشی جیسے ان سب کی خوشی تھی۔ پٹھانی کے بچے پشتو گیت گا رہے تھے۔ گنڈو، پو اردو میں راگ الاپ رہے تھے۔ کچھ لوگ پنجابی، کچھ سرائیکی میں نغمہ سرا تھے۔ مگر بول ایک ہی تھے۔ محبت کے، وفا کے امیدوں کے رنگ لیے۔ وہ سب ایک ہی بات کہہ رہے تھے، ایک سے جذبات کا اظہار کر رہے تھے۔ عید سے پہلے عید ہوئی تھی۔